Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum.e.Islamia/index
ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)
E-Mail: muloomi@iub.edu.pk Vol.No: 30, Issue: 02.(July-December) 2023
Published by:Departmentof Islamic Studies,The Islamia University of Bahawalpur

مابعد جدیدیت میں مغربی فکر و تہذیب کا تنقیدی جائزہ

A Critical Analysis of Western Civilization and its thoughts in Postmodernism

Dr. Ahmad
Assistant Professor, PUT Rasul Mandi Bahauddin / Postdoc Fellow, IRI, IIU, Islamabad:
drche313@gmail.com
Dr. Shfaqat Ali al-Baghdadi al-Alazhari
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Minhaj University Lahore:
sabaliwaag@gmail.com

This research is about the nature and scope of Western Civilization and its thoughts in Postmodernism. Western thinkers have divided their civilization into three periods. They saw this division in terms of the evolution of the human mind. The Postmodernism has its own characteristics. In this era, Modernism gained more criticism, but it was also criticized by some thinkers. During this period antiquated literature flourished, and social and moral values declined. In postmodernism Positivism, Evolution and Sex Revolution made a modern trinity. In Postmodernism, the trend of Globalization began to flourish. It helped in world trade. Some people are protesting due to its favor of Capitalism and developing countries. Some thinkers are criticizing the Globalization, as it is leading to annihilation and the End. Making of Suez and Panama canals and the revolution of Information Technology helped it. In the Postmodernism, the West held global power through international institutions. The United Nations and other international organizations have become the mouthpieces of the West. These are playing their role in making the world civilized as western will and its conditions.

Keywords: Capitalism,Evolution, Globalization, Positivism, Postmodernism, Sex Revolution, Western Civilization.

مابعد جدیدیت سیاسی اعتبار سے بہت اہم دور ہے۔ اس میں مغربی فکر و تہذیب عالمگیریت کے ثمرات سے لطف اندوز ہوئی۔ امریکی اقتدار میں تہذیبِ مغرب نے ملحد سوشلسٹوں سے سرد جنگ رکھی۔ سوویت یونین سے محاذ آرائی کے لیے سرمایہ دارانہ نظام نے دین و مذہب سے وابستگی کا مظاہرہ کیا۔ اس دوران مشرق میں بائبلی دور کی یاد تازہ کرنے کے لیے اسرائیل کی صہیونی ریاست بنائی گئی۔ مؤحد

مسلمانوں کے خلاف حضرت موسیٰؑ کے نام لیواؤں نے فرعونی طرزِ عمل اپنالیا ہے۔ اس عرصے میں مغرب کا اثر و نفوذ آخری نبی ﷺ کے ماننے والے ممالک کی سرحدوں تک آیا، بلکہ مغرب سرطان کی طرح امت مسلمہ کے اندر تک پہنچ گیا۔ مابعد جدیدیت میں ادب کی مختلف اصناف نے ترقی کی ہے۔ ان میں آزادیٔ اظہار کی مغربی فکر بہت پروان چڑھی ہے۔ لادین تہذیب کی اس فکر سے مسلمانوں کی دل آزاری بڑھتی چلی جارہی ہے۔ مثبتیت پسندی، ارتقاء اور جنسی انقلاب کی تثلیث اس دور کو مذہب بیزاری کی طرف لے گئی ہے۔ اس نفس پرستی کی وجہ سے سماجی و اخلاقی اقدار میں انحطاط بڑھ گیا ہے۔ عالمگیریت سرمایہ دارانہ نظام کو، اور عالمی ادارے مغربی تہذیب کو پروان چڑھارہے ہیں۔ اقوام متحدہ اور دیگر ادارے یک طرفہ طور پر مغربی اقدار کو پروان چڑھا رہے ہیں۔

مابعد جدیدیت میں ادبی تحقیق

مابعد جدیدیت کی اصطلاح اکثر مابعد ساختیات کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ یہ جدیدیت کی ادبی اور ثقافتی نظریہ سازی کا رد ہے۔ یہ ایسا مکتبہ فکر یا تحریک ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد شروع ہوئی تھی۔ اس نے 1960ء اور 1970ء کی دہائی میں مقبولیت حاصل کی۔[1] اس اصطلاح کا نام تجویز کرتے ہوئے اسے "Meta Modernism" بھی کہا گیا ہے، جس میں عقلیت پسندانہ یونانی اصطلاح میٹا کو سابقہ بنایا گیا ہے۔ اس سے مراد ساتھ، درمیان اور ماوراء ہے۔[2]

جدیدیت پسندوں کے برعکس مابعد جدیدیت پسندوں نے دوسرے کو آواز دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اونچ نیچ کی ثقافت یا کسی تفریق کو منسوخ کیا ہے۔ کیا یہ دوسرے کے لیے گنجائش ہے کہ، مغرب میں خدا تعالیٰ کے مقابلے پر کھڑے ہونے والے شیطان کے پجاری دکھائی دیتے ہیں۔ امریکہ کو اندرونی خلفشار روکنے کی ہمیشہ سے ضرورت رہی ہے۔ اس دور میں اسے ایک حریف کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ سرد جنگ میں مسلمانوں سے بہتر تعلقات رکھے گئے۔ اس کے بعد اسے حریف بنالیا گیا۔ مغرب اس دوسرے کا درد کب محسوس کرے گا؟ مابعد جدیدیت کے کام بے ضابطہ ہیں جو بے بنیاد سطحوں کی دنیا کی نمائش کرتے ہیں۔

جدیدیت کے تشریحی ناول سے حالیہ امریکی افسانے آگے بڑھ گئے ہیں۔ یہ تجرباتی اور مابعد جدید داستان کی طرح ہیں۔ ان میں افسانہ نگار نے انسانی حالت کو جامع نجی فریم ورک میں بغیر کسی تشریح کے بیان کیا ہے۔[3] گفت و شنید کے افعال، ساخت اور نوعیت پوری طرح سے ہماری ہے، جو پچھلے خیال سے تعلق نہیں رکھتی۔[4] مابعد جدید مصنفین میں یہ تصور مقبول رہا کہ ماضی اور حال کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور ماضی کے واقعات موجودہ وقت میں غیر متعلق ہیں۔ مابعد جدیدیت میں آرڈر، ترتیب، اور فن کے کاموں میں اتحاد کے نظریات کو کبھی ترک کر دیا جاتا ہے۔ یہ تکنیک زیادہ واضح طور پر جان بارتھ، ولادیمیر نبوکوف اور ملعون سلمان رشدی جیسے مصنفوں کی تخلیق میں مل سکتی ہے۔

مابعد جدیدیت پسند اس یقین کی تائید کرتے ہیں کہ کوئی آفاقی سچائی نہیں ہے۔ ان کے مطابق بہت سی چیزیں غیر معقول ہیں۔ انہوں نے موقع اور تغیر پر یقین رکھا ہے۔ انہوں نے جدیدیت کی عقلیت، اس کے اصولوں اور انداز فکر پر سوال اٹھائے ہیں۔ انہوں نے مہا بیانیے کے خلاف عدم اعتماد کیا ہے۔ ان میں جمہوریت پر یقین، تاریخ کی پیشرفت اور سائنس کے ذریعہ ہر چیز کا پتہ ہونا، جیسے دنیا کے بڑے پیمانے پر نظریات اور فلسفے ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد تراکیب اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے بیانات اور داستانیں مناسب سمجھی گئیں۔ ان میں معاشرتی تبدیلی اور سیاسی مسائل کی وضاحت ملتی ہے۔[5]

مابعد جدیدیت فرق، تکرار، سراغ، نقاب، موجودگی، شناخت، تاریخی پیشرفت، تاریخی یقین اور معنی کی یکسانیت کو غیر مستحکم کرتی ہے۔ اسے ان تصورات کو استعمال کرنے والے تنقیدی، حکمت عملی اور بیان بازی کے طریقوں کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔[6] مابعد جدیدیت ادبی

تناظر میں اسلاف بیزاری کی تحریک ہے۔ اس نے دورِ جدیدیت کے اکابر سے براءت کرتے کرتے ادیان اور انبیاء کرامؑ کی سیرت و تعلیمات کو اساطیر یا مہابیانیہ کہا ہے۔ ملعون سلمان رشدی نے آیات اللہ کو شیطانی آیات کہہ کر گستاخی کی ہے۔ یہ شیطانی روش کارٹونوں کی اشاعت تک پہنچ گئی ہے۔ اس دور میں آزادی اظہار کے نام پر مغرب نے ابنِ رُشد کو دوبارہ ڈھال بنایا ہے۔

مابعد جدیدیت میں فلسفیانہ تثلیث

مابعد جدیدیت میں فلسفے، سائنس اور ٹیکنالوجی کے اشتراک سے مغربی تہذیب خدا بیزاری اور انسان پرستی کی راہ پر چل نکلی ہے۔ اس کے عمیق مطالعے کے بعد مسلم دانشور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مغرب میں عقائد کی عمارت چار بنیادوں مادہ پرستی، افادہ پرستی، انفرادیت پسندی اور لادینیت پر تعمیر ہوئی ہے۔ جدید دنیا کی باطل تلبیس نے ایک جدید تثلیث کو جنم دیا ہے۔ یہ تثلیث کے روایتی تصور سے مختلف ہے۔ اب اس میں مثبتیت، ارتقائیت اور جنسیت اقانیم ثلاثہ قرار پائے ہیں۔

مغربی فلسفے میں ایک اہم نظریہ عملیت پسندی ہے جس سے مراد حقیقت پر قائم رہنا ہے۔ اس کا فلسفیانہ مفہوم معنی، ادراک اور عمل کی یکجائی ہے۔ امریکہ میں پیدا ہونے والے عملیت پسندی کے فلسفے پر یورپ کے کچھ فلسفیوں نے تنقید کی ہے۔ انہوں نے عمل کرنے پر زور دینے کی وجہ سے اسے انجینئرز کا فلسفہ ہونے کا الزام لگایا تھا۔ تاہم عملیت پسندی انفرادی فلسفوں کے ایک سیٹ سے زیادہ فلسفہ ہے۔ معنی اور سچائی، ادراک اور عمل، سائنس، اخلاقیات اور فن کے مابین تعلقات کے بارے میں اس کے اپنے اختیارات ہیں۔ عملیت پسندی سے فلسفہ اور ٹیکنالوجی میں نمایاں شراکت ممکن ہوئی ہے۔(7)

مابعد جدیدیت میں ہیومنزم کے فلسفیانہ اور اخلاقی موقف کو زیادہ پذیرائی ملی۔ اس میں انسانی قدر و منزلت کی انفرادی و اجتماعی تاکید تھی۔ یہ توہم پرستی پر تنقیدی سوچ کو فوقیت دیتا ہے، اور ثبوت نہ ملنے پر کشمکش کرتے ہوئے عقلیت پسندی اور تجربیت کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ اصطلاح اپنے ساتھ پہچانی جانے والی دیگر فکری تحریکوں کے مطابق بدل گئی ہے۔(8) انسان دوستی، مصائب کے مارے افراد کی مدد کے نام پر، دوسرے ملینیم کے اوائل میں پروان چڑھی۔ اسے مدنظر رکھ کر لادین انسان پرست، مذہب کو مسترد کرتے ہیں۔ وہ خیراتی کاموں اور اخلاقی و معنی خیز زندگی کی طرف اپنی توجہ مبذول کراتے ہیں۔(9)

انسان پرستی گویا اب ایسا دین بن گئی ہے جو اپنے علاوہ کسی اور دین کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ مسلم ممالک میں خیراتی ادارے اس نعرے سے متاثر ہوئے ہیں۔ وہ خدمت انسانیت کو دینداری سے بہتر قرار دینے لگے ہیں۔ یہ اصطلاح انیسویں صدی کے آغاز میں بنائی گئی تھی۔ اس میں کلاسیکی انسانیت کے ادبی مطالعہ پر مبنی نظام تعلیم کا حوالہ دیا جاتا تھا۔ اب یہ انسانی آزادی اور ترقی کے تصور کی تصدیق ہے۔ اس کے لیے انسان کو مکمل طور پر ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ یہ دنیوی انداز سے انسان کے لیے تشویش و تحقیق پر زور دیتی ہے۔(10)

مغربی تہذیب کے نظریات اور فلسفے بدلتے لمحوں کا اثر لے کر بدل جاتے ہیں۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ لوگ برسوں ایک نظریہ حق قرار دیتے ہوئے تنازعے میں مبتلا رہے ہیں۔ امریکہ پریشانی سے نجات پاکر مشکل وقت کے دوستوں سے طوطا چشمی کر جاتا ہے، اسی طرح مغرب میں ایک روز کا حق اگلے روز باطل ہو جاتا ہے۔ انسانی معیارات کے مطابق نظریہ سازی کا انجام یوں ہی ہوتا ہے جبکہ وحی الٰہی علیم و خبیر ذات کی طرف سے ہونے کی وجہ اس نقص سے مبراء ہوتی ہے۔

مثبتیت پسندی کا پرکشش فلسفہ سائنسی قدر کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ اپنے معیار کے مطابق سچ جھوٹ میں واضح فرق برقرار رکھتا ہے۔ اس پر دوسرے فلسفے کیچڑ اچھالتے ہیں۔ اس کے ساتھ سنگین مسائل بھی ہیں جیسا کہ یہ ثقافتی، سیاسی اور نفسیاتی عوامل کو تسلیم

کرنے میں ناکام رہتا ہے۔مابعد مثبت پسندی نے اسے شکست سے دوچار کر دیا ہے، جس کا دعویٰ ہے کہ سچ کی تصدیق سائنس اور منطق ثبوت سے کی جاسکتی ہے۔ مثبتیت اپنے ماسوا سب کچھ غلط یا بے معنی سمجھتی ہے۔اس سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے غلط یا بے معنی ہیں۔

مابعد مثبتیت پسند ابھی بھی پرانے دبستان کے بہت سے پہلوؤں پر عمل پیرا ہے۔خاص طور پر وہ محسوس کرتے ہیں کہ فلسفہ کا مقصد سچائی کا ہونا ہے۔یہ معروضی حقیقت مانتے ہیں جبکہ ان کا یہ خیال تھا کہ سائنس اس کو سمجھنے کا ایک ناقص لیکن انتہائی قابل احترام ذریعہ ہے۔انہوں نے قبول کیا کہ اس حقیقت کو جاننے یا سمجھنے کے عمل میں بڑی پیچیدگیاں ہیں۔معروضی سچائی پر یقین کرنے کی کوئی معروضی بنیاد نہیں ہے۔مابعد مثبتیت پسند رجعت پسندی پر تنقید کرنے میں اس حد تک کامیاب ہے کہ آج بہت کم پر اعتماد مثبتیت پسند باقی ہیں۔[11]

مابعد جدیدیت میں عالمگیریت

مابعد جدیدیت میں عالمی سرمایہ داری کے علاوہ، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ عام ہوا۔اب انسان تاریخ کے کسی دوسرے وقت کے مقابلے میں زیادہ باہم منسلک اور ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔عالمگیریت میں معاشرتی اور انفرادی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اثر بڑھا ہے۔اس سے بین الاقوامی رابطوں میں اضافہ ہوا۔اس اصطلاح کا آغاز 1990ء کی دہائی میں ہوا۔تب انٹرنیٹ جیسی ٹیکنالوجیز نے پوری دنیا میں نئے قسم کے روابط کے لئے انقلابی صلاحیت اجاگر کی۔انٹرنیٹ تک رسائی سے ہم سب اس انقلاب میں حصہ ڈال سکتے اور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

عالمگیریت میں بین الاقوامی صارفیت اور میڈیا تک رسائی عام ہوئی۔اس سے عالمی تجارت تیزی سے بڑھی اور کثیر قومی کارپوریشنوں کی وسیع پیمانے پر سرگرمیاں عمل میں آئیں۔ثقافتی عالمگیریت نے برطانوی اور امریکی کھیلوں کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔اس سے ہالی ووڈ کو دنیا کا فلمی دارالحکومت بننے میں مدد ملی۔پاپ میوزک، ٹیلی ویژن اور فلم مغربی ثقافت میں شامل ہیں، جبکہ فاسٹ فوڈز کا عالمی پھیلاؤ مکمل طور پر امریکی انداز ہے۔

اطلاعاتی انقلاب مابعد جدیدیت کی ایسی اختراع ہے، جس کے اثرات کے بارے میں مغرب میں فکرمندی جنم لے رہی ہے۔اس سے سب اپنے وقت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔اب اپنے ارد گرد کی دنیا کو معروضی طور پر دیکھنا مشکل ہو گیا ہے۔اب فنکار وہ شخص کہلاتا ہے جو اپنے ثقافتی لمحے کے بارے میں خاص بصیرت رکھتا ہے۔انسانی زندگی میں ٹیکنالوجی کا پھیلاؤ ہماری انفرادیت اور رازداری کے لیے خطرہ بھی ہے۔یہ ہمیں گوگل، فیس بک، یوٹیوب اور ایپل جیسے کماؤ کارپوریٹ اداروں کے ڈیٹا پوائنٹ کی طرف لے جاتا ہے۔

مغربی تہذیب میں فناء کے خطرے بڑھ رہے ہیں۔اس دنیا کو بچانے کے طریقے دکھائے جا رہے ہیں۔امریکی ہیرو دوسری دنیاؤں کے ایلینز سے تحفظ کے لیے خلائی سفر کرتے ہیں۔وہ دیگر دنیاؤں کی طاقتوں سے لڑتے ہیں۔ہالی ووڈ کی فلموں میں تہذیبی انجام کی جھلک عام ملتی ہے۔آہ بھرتے ہوئے مغرب امید و بیم کی حالت میں ہے۔پچھلی تہذیبوں کی قسمت کی طرح وقت آج کی بصری ثقافت کو ختم کر دے گا۔اس میں انسانیت کی تاریخ درج ہے۔آئندہ آرٹ کے مورخ اس ٹیکنالوجی کی تشکیل نو کے لئے کوشاں رہیں گے۔شاید مغربی تہذیب کو جاننے کے لیے کسی دن کوئی انٹرنیٹ کی میموری پر نظر ڈالے۔

جدیدیت میں سویز اور پانامہ نہر بنانے سے عالمگیریت شروع ہوئی۔ یہ بیسویں صدی کے اختتام پر دوبارہ مرکزیت اختیار کرنے لگی۔ مغربی یورپ اور شمالی امریکہ میں معاشی ترقی کی شرح بڑھی۔اس کی وجہ سے ایک نیا دور سامنے آیا۔ ہوائی سفر اور نقل وحمل کے مصروف مواصلاتی نیٹ ورک میں مصنوعی سیارے کا اضافہ ہوا، اور پھر انٹرنیٹ نے میدان مار لیا۔

بیسویں صدی کی درمیانی دہائیوں میں عالمی جنگیں ہوئیں۔افسردگی کے ان واقعات میں مغربی یورپ نئی عالمگیریت کو چلانے کا عزم کیے ہوئے تھا۔اس وجہ سے عالمگیریت کے پہلے دور کی ناکامی ہوئی۔ امریکہ نے اپنی سرزمین کو کبھی میدان جنگ نہیں بننے دیا۔ عالمی طاقتوں نے سامنے آئے بغیر باہمی دشمنی جاری رکھی۔اس سے دنیا کے غریب ترین خطوں میں سیاسی استحکام اور معاشی بہبود مجروح ہوا۔ جنوبی مشرقی ایشیاء کے ممالک بالخصوص ملائشیا اور انڈونیشیا نے طویل اور خونی کمیونسٹ شورشوں کا سامنا کیا۔ بعض افریقی ممالک میں کمیونسٹ مخالف قوتوں نے اقلیت ہوتے ہوئے بھی اقتدار پر قابو پالیا۔ان نوآبادیاتی کرداروں نے سفید فام نسلی تعصب کا پرچار کیے رکھا۔نتیجے میں اشتعال انگیز بغاوتیں نمودار ہوئیں جنہوں نے حمایت کے لئے کمیونسٹ بلاک کی طرف دیکھا۔

اکیسویں صدی کے شروع سے عالمگیریت کے خلاف مظاہروں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ ورلڈ بینک جیسے اداروں کے اجلاسوں کے دوران مظاہرے ہوئے۔ ان میں مغربی ممالک کی ٹریڈ یونین نمایاں تھیں۔ کم تنخواہ پر کام کرنے کے لیے تیار، سستے مزدوروں سے انہیں پریشانی لاحق تھی۔ ان کے مقابلے میں یہ لوگ ملازمت سے محروم ہونے کے بارے میں فکرمند تھے۔ غریب ممالک سے لاکھوں افراد یورپی معاشروں میں ہجرت کر آئے تھے۔ان کی وجہ یہ تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں۔ بہت سے مغربی شہروں میں ایشیاء، افریقہ، مشرق وسطیٰ اور کیریبین لوگوں کی کمیونٹی پروان چڑھی۔

مغرب میں نووارد لوگوں کو اکثر شک اور عداوت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ انہیں نئے معاشروں میں قبول کیے جانے میں کئی سال لگے۔ کچھ مقامات پر اس تناؤ کا صحیح معنوں میں مقابلہ نہیں کیا گیا، کیونکہ مغرب عالمگیریت کے صرف فوائد سمیٹنا چاہتا ہے۔ اہلِ یورپ میں عالمگیریت سے یورپی شناخت کے لیے خطرے کا اندیشہ لاحق ہو گیا ہے۔اکیسویں صدی کے اوائل میں تیز تر امیگریشن عالمگیریت کا ایک اور واضح سہارا بنی۔ اس کے بارے میں یورپی ممالک پالیسی سطح پر قوم پرستی کو کم کرنے پر مائل ہوئے ہیں۔ وہ اس کی وضاحت جاری رکھے ہوئے ہیں۔(12)

مابعد جدیدیت میں عالمی اداروں کا تہذیبی کردار

عالمگیریت کی سیاست میں مغربی تہذیب غالب ہے۔ اس کا اظہار اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ویٹو پاور کے تناسب سے ہوتا ہے۔ پانچ میں سے تین مستقل نشستیں مغربی ممالک کے لیے مختص کی گئی ہیں۔ اقوام متحدہ کے دوسرے اداروں میں بھی سرمایہ دار ممالک چھائے ہوئے ہیں۔ وہ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام خواتین، آبادی پر قابو یا ماحولیاتی تحفظ کے متعلق ہونے والی کانفرنسوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ عالمی سیاست عالمگیریت کے دوسرے پہلوؤں کے مطابق نہیں رہی۔ اکثر مبصرین ماحولیاتی اثرات کی شرح بہت کم بتاتے ہیں۔ بہت سے بین الاقوامی معاہدوں کا انحصار اقوام عالم پر ہے، یا طاقتور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے نافذ کرنے کی خواہش پر۔ امریکہ عالمی اداروں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ ازخود مخالف ممالک پر پابندیاں عائد کر دیتا ہے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سالانہ تقریری مقابلے ہوتے ہیں۔ اس فورم میں کبھی کبھی مغربی خواہشات کے خلاف اکثریتی رائے سامنے آجاتی ہے، تو امریکہ بھر میں اقوام متحدہ کی مخالفت سامنے آجاتی ہے۔ امریکہ نے مغربی تہذیب کی قیادت سنبھالی تو اس نے نوآبادیاتی نظام نہ بنایا۔ اسے محکوم خطے تلاش کرکے قبضہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مغربی تہذیب کا نظام سیاست اپنانے پر زور دیا گیا۔

ایسا کرنے سے ہر ملک کا حکمران امریکی وائسرائے دکھائی دیتا ہے۔ ممالک کی سیاسی تقسیم کی گئی۔ تمام قوموں کو باہمی تعلقات کے لیے عالمی قوانین کا پابند بنایا گیا۔ درحقیقت سیاسی، جغرافیائی اور نظریاتی حد بندیوں کے تحفظ کے لیے ممالک عالمی اداروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ ادارے مغربی تہذیب کی رکھوالی میں مصروف ہیں، اور دیگر تہذیبوں کو فراموش کر رہے ہیں، حالانکہ بتایا جاتا ہے کہ تہذیب کسی بھی براعظم اور کسی بھی رنگ میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ انگریز برطانوی تہذیب نہیں بناتا، تہذیب کا تعلق نسل سے اس معنی میں ہے کہ اس سے پہلے، مختلف نسلوں کے افراد کے مابین رشتہ استوار ہوتا ہے۔[13]

عالمی عدالت انصاف کے فیصلے ماننا ممالک کے لیے ضروری نہیں، تاوقتیکہ امریکہ انہیں نافذ نہ کرائے۔ وہ اپنے مفادات کے تناظر میں اپنے طور پر بعض ممالک کو بدی کے محور قرار دیتا ہے۔ وہاں ایسی شرق شناسی رائج ہے جس میں امریکی، مشرق کے بجائے اپنے ماحول سے مربوط رہتے ہیں۔ وہ ہر جگہ اجنبی بن کر کام کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایسی بڑی طاقت کے رکن ہیں جس کے مفادات مشرق سے وابستہ ہیں۔ ایسے میں ان کی خود اعتمادی انہیں سکھاتی ہے کہ دوسرے کے احساسات و جذبات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ مابعد جدیدیت میں مغرب کی تہذیبی رعونت انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ امریکی دانشوروں نے ببانگ دہل دعویٰ کر دیا ہے کہ قومی بقاء، سیاست اور معیشت کے روزافزوں تعلقات استوار کرنے کا ریاستوں کا موجودہ رستہ، ترقی کا آخری زینہ ہے۔[14]

عالم اسلام میں عالمی ادارہ صحت اور مہاجرین کے کمشنر کی طرح صلیبی ریڈ کراس کی پھرتیاں بڑھ گئی ہیں۔ یہ خطہ مغربی غلبے سے پہلے امن کا گہوارہ تھا۔ اس کی شاندار تہذیب تھی، جس کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر مغربی تہذیب پروان چڑھی ہے۔ قرون وسطیٰ میں اسلام سائنس اور ٹیکنالوجی میں عالمی رہنما تھا۔ اس نے قرطبہ جیسے دنیا کے کچھ بڑے تعلیمی مراکز قائم کیے۔ اسلامی ثقافت نے ایک ایسے وقت میں قدیم یونانی متون کے تحفظ اور ترجمہ میں ایک اہم کردار ادا کیا، جب قدیم دنیا کا تخلیق کردہ زیادہ تر علم ضائع ہو گیا تھا۔[15]

یونانی تہذیب کے کھیلوں کو زندہ کرنے کے لیے اولمپکس کمیٹی بنائی گئی ہے۔ اس کی طرف سے مشرکانہ رسوم والی مشعل ملک ملک جاتی ہے۔ فیفا ورلڈ کپ میں کھیلنے والے ممالک کے جھنڈوں کو کک مار کر ٹورنامنٹ کا افتتاح کیا جاتا ہے، خواہ ان پر پارسا مسلم ممالک نے برکت کے لیے کلمہ طیبہ، تکبیر یا اللہ کا نام لکھوا رکھا ہو۔ مسلمانوں نے اپنے عالمی ادارے او آئی سی کو مذاق بنا دیا ہے۔ ہمارے ممالک تمام خود مختار بین الاقوامی اداروں کے اجلاسوں میں دوڑے چلے جاتے ہیں۔ ان اداروں کا جھکاؤ زیادہ تر مغربی پلڑے کی طرف ہوتا ہے۔

مابعد جدیدیت میں جمہوری و سودی نظام کا عالمی استحصال

سرد جنگ کے دوران مغربی یورپ میں یورپی یونین پروان چڑھی۔ اس نے فری مارکیٹ کی اپنی اقتصادیات کے ساتھ جمہوری اقدار کا خاکہ متعارف کرایا تھا۔ سوویت یونین اور اس کا اشتراکی نظام اچانک منہدم ہو گیا۔ اس بلاک میں قیادت کا خلاء پیدا ہو گیا تھا۔ جلد ہی وسطی یورپ کے سابقہ کمیونسٹ ممالک کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے یورپی اتحاد میں وسعت دی گئی۔ سوویت یونین کے خاتمے سے پولینڈ، جمہوریہ چیک، جمہوریہ سلوواک، بالٹک ریاستیں، ہنگری، سلووینیا سرمایہ دارانہ معیشت بن گئی ہیں۔ وہ جمہوری سیاست کی طرف گامزن ہیں۔ یورپی یونین کی رکنیت حاصل کرنے کے لیے وہ بیتاب نظر آ رہی ہیں۔

مشرقی اور مغربی جرمنی باہم ضم ہو گئے۔ مغرب عرب دنیا کی خونی سرحدیں ٹھیک کرنے کا انتظام کر رہا ہے، اور اپنی دنیا کی سرحدیں مٹا رہا ہے۔ اپنے اتحاد کے لیے اس نے قوم پرستی کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ تاریخ نے انہیں یہ سبق دیا ہے کہ ایک واحد، عظیم، اور متحد یورپی قوم ہی براعظم کی رگوں میں تازہ خون کی بوتل لگائے گی۔ قوم پرستی تاریخی نسبت سے ایک نئی تحریک تھی، جس کی جڑیں گہری نہیں تھیں۔[16]

سرد جنگ کے عرصے میں حیرت انگیز طور پر مغربی ممالک میں بہت زیادہ اقتصادی پیشرفت ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے اشتراکیت کے پھیلاؤ کو روکنے، اور یورپی ممالک کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر امداد دی، یا قرض دیا۔ ان ممالک میں گھروں میں ٹی وی، فرج، برقی پریشر ککر اور دیگر گھریلو آلات آ گئے۔ ان کی وجہ سے معیاری زندگی ڈرامائی طور پر بڑھا۔ یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے تھے اس لیے انہیں پسِ دیوار کر دیا گیا تھا۔ عصر حاضر میں مغرب کا زمین میں فساد، قرآن کریم میں بیان کیے گئے تمام فسادات کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے گئے میثاق کو توڑا، اور اس کے حکم کے برعکس مقاطعہ کیا، جو کہ دینی فساد ہے۔ انہوں نے بڑے پیمانے پر نسل کشی کی، اور بچوں کا بڑے پیمانے پر قتل کیا، یہ نسلی فساد ہے۔ یہ تجارتی نظام میں کمی بیشی کرتے ہیں، طاقتور ممالک کرنسی کی قدر کم یا زیادہ کرنے کی حالت میں ہیں، وہ اثاثے ضبط کر لیتے ہیں، یا واجبات سے انکار کر دیتے ہیں، جو کہ اقتصادی فساد ہے۔ ان کے ہاں ہم جنس پرستی کو معاشرتی طور پر قابل قبول بنا دیا گیا ہے، جو کہ جسمانی فساد ہے۔[17]

جمہوریت کا نظام پوری دنیا کے لیے فرضِ عین قرار دیا گیا ہے۔ مسلم ممالک کے سیاسی رہنما مغربی خوشنودی میں اپنے مفادات پورے ہوتے دیکھتے ہیں، تو اس کو یقینی بنا رہے ہیں۔ وہ اپنے اقتدار کے لیے میثاق جمہوریت کے نام سے گٹھ جوڑ کر رہے ہیں۔ امریکہ نے مابعد جدیدیت میں جمہوریت کو اپنے مفادات کے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جمہوریت کا حقیقی نفاذ اس کے پیش نظر نہیں ہے۔ وہ مسلم ممالک میں حقیقی قیادت کو جمہوری رستے سے آنے سے بھی روکتا ہے۔ مغرب میں کہا جاتا ہے کہ سیاست و معاشرت میں کثرت رائے کے ذریعے اتفاق رائے جمہوری نظام کی اساسی قدر ہے۔ جمہوریت کی علمبردار ریاست امریکہ ہے۔ وہ جدید عہد کی بااثر اور طاقتور ترین ریاست ہے، جہاں اکثریت کا ہمیشہ ٹھیک ہونا ایک عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے۔[18]

امریکہ نے عالمگیریت سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اس نے مقامی ثقافتوں پر اثر ڈالتے ہوئے انہیں مغربی تہذیب سے روشناس کر دیا ہے۔ یوں ثقافت اخلاقی تربیت کے اعلیٰ مقاصد اور اچھے سلوک سے منسلک ہو گئی ہے۔[19] مقامی اخلاقیات سدھارنے کے لیے اوامر و نواہی معیار ہیں۔ ان کی جگہ افراد کی رائے کو فوقیت دینا خطرناک ہے۔ اس سے اباحیت اور نفس پرستی پھیلتی چلی جا رہی ہے۔

مابعد جدیدیت میں سماجی و اخلاقی اقدار

سرد جنگ کی وجہ سے بڑی تکنیکی ایجادات ہوئیں۔ فضائی افواج کے تجربے سے فائدہ اٹھایا گیا۔ سفر و سیاحت کے لیے شہری ہوابازی میں بڑے پیمانے پر اضافہ ہوا۔ امریکی اور روسی جانب سے قلیل یا طویل فاصلے تک ایٹمی میزائلوں کی تیاری شروع ہوئی۔ اس سے خلائی دوڑ شروع ہوئی تھی۔ امریکیوں نے ایک شخص کو چاند پر بھیج کر کامیابی حاصل کی۔ اس دوڑ کے نتیجے میں دنیا کے گرد مدار میں متعدد مصنوعی سیارے بھیجے گئے۔ ان کے ذریعے مواصلات، سمت شناسی، جغرافیائی سروے اور دیگر تحقیقات میں ڈرامائی پیشرفت ہوئی۔ فوجی دشمنی نے الیکٹرانکس، منیئٹورائزیشن اور کمپیوٹر سے متعلق حیرت انگیز پیشرفت کرائی۔ اس لیے 1980ء کی دہائی میں تیزی سے تفریحی صنعت میں انقلاب برپا ہوا۔

مابعد جدیدیت میں مغرب میں ہپی تحریک اٹھی، جس نے ساٹھ اور ستر کی دہائی میں جنسی اخلاقیات کے بارے میں زیادہ نرمی دکھائی۔ اس سے نشے کی وسیع پیمانے پر آسان دستیابی ممکن ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم جنس پرستی کے بارے میں زیادہ آزاد خیال رویہ سامنے آیا۔ اختیارات اور طبقاتی اختلافات کی ناقدری بڑھی۔ منشیات کا تفریحی استعمال مرکزی دھارے میں شامل ہو گیا۔ دفاتر میں جنسی مساوات کو حد درجہ اہمیت ملی۔ طلاق اور خاندانی ٹوٹ پھوٹ عام ہو گئی، اور مذہبی عقیدے نے اپنا دیرینہ زوال جاری رکھا۔ 1970ء کی دہائی میں ماحول کے بارے میں تشویش زیادہ بڑھ گئی۔

مابعد جدیدیت کو جنسی آزادی کا دور بھی قرار دیا جاتا ہے۔ 1960ء کی دہائی میں امریکہ سے نوجوانوں کے جنسی انقلاب کی سماجی تحریک ابھری۔ اس نے جنسیات اور جنسی تعلقات کے رویے اور ضوابط کو چیلنج کیا۔ یہ بعد میں دنیا بھر میں پھیل گئی۔ اس تحریک نے مخالف صنف کے جیون ساتھی تک محدود رہنے کی روایت توڑی، ازدواجی تعلقات میں جنسی آزادی کو مقبولیت دی۔ اب مانع حمل ادویات، سرِعام عریانی، فحاشی، زناکاری، ہم جنس پرستی اور مشت زنی جنسیت کی متبادل اقسام سمجھی گئیں۔ اسقاط حمل کو قانونی بنانے کے اقدامات اٹھائے گئے۔ پہلا جنسی انقلاب جنگِ عظیم سے پہلے آیا تھا، اور یہ اصطلاح 1920ء سے استعمال کی جارہی ہے۔[20] 1970ء کی دہائی میں حقوق نسواں کے ایک نئے دور میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ خواتین کو حاصل ہونے والا فائدہ کم تھا۔

ڈینیل بیل (پیدائش 1919ء) نے 1970ء کے بعد مغرب میں ثقافتی بحران کے موضوع پر تحقیق سے ناموری پائی۔ ریمنڈ آرون (1905ء تا 1983ء) نے مغربی اقدار کی حمایت کی ہے۔ اس نے مغرب کے بنیادی و متفقہ لبرل ازم نظریے کی عالمگیری کا درس دیا، اور خدشہ ظاہر کیا کہ ایک اخلاقی بحران مغرب کو پریشان کر رہا ہے۔[21]

یہودی سوشلسٹ دانشور رچرڈ لیوینتھل (م 1991ء) پہلے کمیونسٹ پارٹی کا رکن تھا۔ بعد میں وہ بائیں بازو کی سوشلسٹ مزاحمت کی صف اول کی ایک شخصیت بن گیا۔ لوونتھل اور آرون بین الاقوامی تعلقات میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے روسی سوویت کے مطالعہ کی مؤثر تشریحات پیش کیں۔ یہ سرد جنگ کے دانشوروں کے نام سے معروف ہیں۔ پہلے یہ مارکس کے پیروکار تھے پھر انہوں نے کمیونسٹ مخالف موقف اپنایا۔ اس وجہ سے امریکی کانگریس برائے ثقافتی آزادی اور دیگر بین الاقوامی تنظیموں میں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

سماج میں عدم مساوات کو لیوینتھل ثقافتی بحران کہتا ہے، جس کا موزوں بندوبست نہ کرنے سے ادارے تباہ ہو جائیں گے۔ اس نے بڑے پیمانے پر جمہوری تربیت اور لبرل اقدار کے تحفظ کو اپنے مقصد بنایا، عقل کی خود مختاری دنیوی فہم کی بنیادی کلید قرار دی، ناگزیر حقوق کے ساتھ عطا کردہ فرد کی انفرادیت پر یقین اور فکری و جسمانی کام کے لیے میرٹ کی یقینی بالادستی کا پرچار کیا۔ اس نے مغربی تہذیب کی بنیادی خصوصیات اور اقدار کو مغربی تہذیب کے انوکھا عَلم قرار دیا۔[22]

خلاصۃ البحث

یہ تحقیق مغربی فکر و تہذیب کی ہیئت اور وسعت کے بارے میں ہے۔ مغربی مفکرین اپنی تہذیب کو انسانی ذہن کے ارتقاء کے لحاظ سے تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ اسی زمانی تقسیم سے ان کی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے۔ مابعد جدیدیتکے دور میں جدیدیت کا نقد بڑھ گیا، لیکن اس مغربی فکر کے اپنے ناقدین بھی کم نہ تھے۔ اس دور میں ادب سے اسلاف بیزاری پروان چڑھی، اور سماجی و اخلاقی اقدار کا انحطاط سامنے آیا۔ مابعد جدیدیت میں مسیحیت کی تثلیث کی جگہ فلسفیانہ تثلیث نے لے لی۔ اس میں باپ، بیٹا اور روح القدس کے بجائے مثبتیت، ارتقائیت اور جنسیت اقانیم ثلاثہ قرار پائے ہیں۔ مابعد جدیدیت میں عالمگیریت کا رجحان پنپنا شروع ہوا، اور مغرب نے عالمی اداروں کے ذریعے عالمی اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اقوام متحدہ اور دیگر عالمی ادارے مغرب کے ترجمان بن گئے ہیں۔ وہ دنیا کو مہذب بنانے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

---

(1)Habib, M.A. R. Literary Criticism from Plato to the Present: An introduction, Blackwell, Oxford, 2011 (246).

(2)Timotheus Vermeulen and Robin, van den Akker, Notes on Metamodernism, in Journal of Aestetics&Culture, Vol 2, issue1, 2010 (23).

(3) Zavarzadeh, Mas'ud, "The Apocalyptic Fact and the Eclipse of Fiction in Recent American Prose Narratives", Journal of American Studies, vol.9, no.1, 1975 (69).

(4) Notes on metamodernism by Timotheus Vermeulen, 2010 (23).

(5) Crane, George T. and Abla Amawi, The Theoretical Evolution of International Political Economy, Oxford University Press, Oxford, 1997(303).

(6) Fredric Jameson, Postmodernism or the Cultural Logic of Late Capitalism, Duke University Press,Durham, 1989 (21).

(7)Dewey, J. The Moral Writings of John Dewey, J. Gouinlock (ed.), Prometheus Books, Buffalo, N.York, 1994 (83).

(8)Nicolas Walter, Humanism What's in the Word, Rationalist Press Association, London, 1997(7).

(9)Ericson, Edward L. The Humanist Way: An Introduction to Humanist Religion, The American Ethical Union, New York, 2013 (75).

(10)Jesudason Jeyaraj, Children at Risk: Issues and Challenges, CFCD/ISPCK, Bangalore, 2009(474).

(11) Ian Hacking, Representing and Intervening, Introductory Topics in the Philosophy of Natural Science, Cambridge University Press, Cambridge, 1983 (30).

(12) Stearns,Peter N. Western Civilization in World History, Routledge Taylor & Francis Group, New York, 2003, (120).

(13) The story of Civilization, Our Oriental Heritage by Will Durant, (3).

(14) The End of History and the last man by Francis Fukuyama, 1992(125).

(15) Western Civilizations Their History & Their Culture by Jon Durbin, 2011(1/63).

(16) José, Ortega y Gasset, The Revolt of the Masses. Trans: Anthony Kerrrigan, Norton, New York, 1993, (144).

(17) Hosein, Imran N. An Islamic View of Gog and Magog in the Modern Age, Imran N. Hosein Publications, San Fernando, Trinidad and Tobago, 2009(29).

(18) C. Brinton, The Shaping of the Modern Mind, Mentore Books, NY, 1956(191).

(19) Schäfer, Wolf, "Global Civilization and Local Cultures, A Crude Look at the Whole," International Sociology, vol. 16, no. 3, 2001(307).

(20)Allyn, David, Make Love, Not War: The Sexual Revolution: An Unfettered History, Little Brown and Co, New York, 2003 (25).

(21) Daniel Bell, The Cultural Contradictions of Capitalism, New York, 1996(41).

Raymond Aron, The Elusive Revolution. Anatomy of a Student Revolt, London, 1969 (XV, XVIII).

(22) Richard Löwenthal, 'The Intellectuals between Social Change and Cultural Crisis' in Social Change and Cultural Crisis, (25, 32).